QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

فقہ المقارن میں یوسف القرضاوی کے منہج کا جائزہ اور اس کے معاشرتی اثرات

An Overview of Yusuf al-Qaradawi's Methodology in Alfiqh al-Muqāran (Comparative Jurisprudence) and its Social Impact

Dr. Abdul Ghaffar

Lecturer, Department of Fiqh and Sharih, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan. Email: abdulghaffar@iub.edu.pk

Monaza Bilal

M.Phil Scholar, Department of Fiqh and Sharih, The Islamia University of Bahawalpur, Pakistan. Email: monazamonaza00@gmail.com

Alfiqh al-Muqāran is an accomplishment of Yusuf Al-Qaradawi which engages with modern legal challenges without compromising Islamic principles. His insights of Islamic jurisprudence created harmony among different schools of thought of jurisprudence. Alfiqh al-Muqāran had great impact on Muslim society. His insights contributed in providing solutions regarding social harmony, women's rights and social justice. His approach ensures that Islamic law remains relevant in addressing contemporary societal needs.

By examining Al-Qaradawi's comparative jurisprudence and its societal impact, this research aims to provide future generations with a structured methodology to ensure continuation of this legacy. Understanding his jurisprudential approach will equip modern scholars with the tools to develop progressive legal solutions while maintaining Islamic authenticity. This study underscores the importance of Fiqh al-Muqāran as a dynamic field capable of fostering social progress and intellectual growth.

Keywords: Fiqh al-Muqāran, Islamic Jurisprudence, Legal Adaptability, Modern Islamic Thought, Societal Impact, Islamic Legal System.

DOAJ Academic Resource Index ResearchBib Journament CiteFactor Electronic Object Identifier I2OR Cosmos

1 تمہید

علامہ یوسف القرضاوی عصر حاضر کی ایک عظیم اسلامی شخصیت تھے۔ تقریباً ایک صدی تک وہ معاشرے پر علمی، تحریکی اور سیاسی حوالے سے چھائے رہے۔ انہوں نے مذہبی، قومی و ملی فریضہ ادا کرنے کی حتی الامکان کوشش کی اور اس میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ وہ مصر میں 1926ء میں پیدا ہوئے۔ علامہ قرضاوی کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں: ان میں سے ایک پہلو علمی وفکری ہے، جب کہ دوسرا پہلو عملی اور تحریکی ہے۔ فقہ اسلامی محض زندگی کے چند جزئی مسائل کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ قانونی و آئینی مجموعہ ہے جو انفرادی واجتماعی زندگی کے تمام معاملات میں انسان کی راہنمائی کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں علم کی ایسی طلب اور جستجو پیدا کر دی تھی کہ ہر فرد دینی و دنیاوی امور سے متعلق احکام شریعت جاننے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صحابہ کرام میں طلب علم اور فہم دین کے ساتھ فقہی بصیرت بھی پیدا ہوئی۔ اسی طرح صحابہ کرام وتابعین سے علمی، فکری و عملی تربیت حاصل کرنے کے بعد آنے والے فقہاء و مجتہدین نے اپنے زمانہ کی ضروریات کے مطابق قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد واستنباط کے ذریعے مسائل کا حل نکالنے کی کاوشیں کیں۔

فقہ اسلامی کی تاریخ میں بیسویں صدی اس لحاظ سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ اس صدی کے نصف کے آخر میں عالم اسلام میں پیش آنے والے جدید مسائل پر غور وفکر کرنے اور ان مسائل کا شرعی حل نکالنے کے لئے ایک اجتماعی تحریک کا آغاز ہوا، جس کو فقہ المقارن کا نام دیا گیا۔ اس تحریک نے مسلم معاشرے میں نت نئے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کرنے کے لئے ایک نئے فقہی رجحان اور طریق اجتہاد کو متعارف کرایا۔ اس نظریے اور رجحان کا مقصد یہ ہے کہ عرف وعادت کی تبدیلی کی وجہ سے امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا حل کسی ایک متعین فقہی مذہب سے نہ لیا جائے بلکہ ایک مشترکہ اجتماعی کاوش سے کسی بھی مسئلے کا حل کسی ایک خاص مکتب فکر کی بجائے تمام مکاتب فکر کو سامنے رکھ کر نکالنا ہے۔ اس فکر نے فقہ المقارن یعنی تقابلی مطالعہ کے اسلوب کو اجاگر کیا۔

2 فقہ المقارن کا تعارف

فقہ اسلامی کے ابتدائی ادوار میں اس کے لیے فقہ الخلاف یا اختلاف الفقہاء کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ محمد سعید رمضان البوطی فقہ مقارن کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "فقہی مسائل میں مختلف فقہی مسالک کی آراء کو جمع کرنا اور ان میں تقابلی مطالعہ کرنا فقہ مقارن کہلاتا ہے۔"[1] فقہ المقارن میں عموماً اختلافی مسائل پر بحث کی جاتی ہے اور مسئلہ کی صورت، مختلف فقہاء و مجتہدین کی آراء، ان کے دلائل، منشاء اختلاف اور مناقشہ وترجیح جیسی ابحاث کی جاتی ہیں۔ محمد تقی الحلیم کے مطابق فقہ المقارن سے مراد

"جمع الآراء المختلفة في المسائل الفقهية والموازنة بينها بالتماس دلتها وترجيح بعضها على بعض۔"[2]

> فقہی مسائل میں مختلف فقہی آراء کا جمع کرنا اور دلیل کے ساتھ ان کا موازنہ کرنے کے بعد دلیل کی بنیاد پر کسی ایک رائے کو ترجیح دینا فقہ مقارن کہلاتا ہے۔

اسی طرح محمد فتح الدرینی فقہ المقارن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "الفقه المقارن تقرير آراء المذهب الفقهية الاسلامية في مسألة معينة ، بعد تحرير محل النزاع فيها. مقرونة بأدلتها، ووجوه الاستدلال بها، وما ينهض عليه الاستدلال من مناهج أصولية، وخطط تشريعه. وبيان منشأ الخلاف فيها، ثم مناقشة هذه الأدلة أصوليا، والموازنة بينها، وترجيح ما هو أقوى، دليلاً. أو أسلم منهجا، أو لإتيان براي

جديد، مدعم بالدليل الأرجح في نظر الباحث المجتهد" [3]

درج بالا تعریف کی روشنی میں فقہ مقارن کی بنیادی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

- فقہ مقارن بنیادی طور پر مسلم معاشرے کے اجتماعی مسائل اور ان کے حل کے لئے اجتماعی اجتہاد کا نام ہے۔ اس اجتہاد کے منہج و اسلوب میں قرآن و سنت کے اصول، مقاصد شریعہ، سد الذرائع، مصلحت عامہ، فقہی قواعد، تلفیق اور جمع بین المذاہب شامل ہیں۔
- فقہ مقارن میں کسی بھی معین فقہی مسئلہ میں مختلف مسالک و مکاتب فکر کی آراء کو ذکر کیا جاتا ہے۔

3 یوسف القرضاوی کے فقہ المقارن سے متعلق افکار کا تجزیہ

اس مضمون میں فقہ المقارن سے متعلق جن ابحاث کا احاطہ کیا گیا ہے وہ دراصل یوسف القرضاوی کی کتاب "الفقه بين الاصالة والتجديد" کا خلاصہ ہیں۔ اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے مختلف مسائل و نظریات میں ان کی آراء کا تجزیہ دوسرے مفکرین کے افکار کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے:

3.1 جامعہ الازہر اور مجمع البحوث الاسلامیہ

مجلۃ الاحکام العدلیہ کی طرز پر جامعۃ الازہر میں مجمع البحوث الاسلامیہ کام کر رہا ہے۔ اس کی کئی کمیٹیاں اور ذیلی ادارے ہیں، جن میں فقہ اور قانون کے ماہرین شامل ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ یہ ماہرین چاروں مکاتب فکر میں سے ہر ایک کی فقہ کو عمومی قوانین کی تیاری کے لیے الگ الگ مرتب کریں، پھر اس کو تمام مکاتب فکر میں لاگو کر دیا جائے۔

حقیقت میں چاروں مکاتب فکر میں سے ہر ایک میں خرید و فروخت اور متعلقہ لین دین کو قانونی حیثیت دینے کا مسودہ جاری کیا گیا ہے، لیکن جو کام منظر عام پر آیا ہے، اس کے بارے میں قانون دانوں کا مشاہدہ ہے کہ وہ جلد بازی میں کیا گیا ہے اور اس میں تحقیق، تقابل اور علمی بحث کا حق مکمل ادا نہیں کیا گیا۔ قدیم اور جدید کے مابین تطبیق کا عنصر بھی اس میں موجود نہیں۔ عصر حاضر میں اسلامی شریعت ان سب امور کی ضرورت مند ہے تاکہ ان مسائل کو تطبیقی صورت میں نمبروار سامنے لایا جاسکے اور اس طرح فقہی قانون سازی میں سہولت پیدا ہو سکے۔

اس کام کی بنیادی خصوصیت یہ ہو کہ ہر مکتب فکر کو اس اصول کے مطابق جانچنے کا عمل ہو بلکہ اس میں موجود راجح رائے پر دو متضاد نقطہ نظر کی موجودگی کے باوجود اعتماد کیا جائے۔ اس کی مرکزی اور ذیلی کمیٹیوں میں خود کو بہتر اور صحیح رائے تک محدود رکھا جائے، تاکہ شریعت کی قانون سازی میں ابتدا سے ہی اسلامی مکاتب فکر کے درمیان اتحادی نکتہ نظر کا پرچار کیا جائے۔ لیکن دوسری جانب اس بات کو بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ مکاتب کا اختلاف اور فرق ایک حقیقت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جس طرح اس سے تجاوز نہیں کیا جاسکتا۔[4]

ڈاکٹر یوسف القرضاوی اس حوالے سے اپنی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> "میں سمجھتا ہوں کہ جس چیز نے کونسل کو اس نظم و ضبط کی منظوری دینے پر اکسایا وہ کچھ ممالک کے علماء نے اپنے ممالک میں موجود غالب مکاتب فکر کو اختیار کر کے کیا۔ وہ علماء ان کی خواہشات کے خلاف نہیں گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ علماء جو اپنے مسلک پر سختی کرتے ہیں بہت سے اسلامی ممالک میں پہلے سے موجود ہیں،

میں نے ان میں سے بہت سے لوگوں سے ملاقات اور گفتگو کی ہے اور ان میں سے کچھ اس کے قائل ہو گئے جو میں ان کے سامنے بیان کیا اور اس حقیقت کو آشکار کیا اور کچھ اپنی رائے پر مصر رہے۔ در حقیقت، وہ اپنے مکتب فکر پر ڈٹے رہنے پر اصرار کرنے میں غلطی پر ہیں، خاص طور پر ایک جدید ملک اور ترقی یافتہ معاشرے میں قانون سازی کے عمل کے حوالے سے۔"[5]

اس موقف کے غلط ہونے کی وجہ ان لوگوں کی نظر میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی مخلوق میں سے کسی ایک قول کا پابند کر کے عبادت کرنے کا نہیں کہا، سوائے اس کے جو اس کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت سے آیا ہے، انسانی اجتہادات میں سے کچھ لیا بھی جا سکتا ہے اور انہیں چھوڑا بھی جا سکتا ہے، جیسا کہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر ائمہ مجتہدین کا زمانہ ہمارے زمانے تک ممتد ہو جاتا تو وہ وہی حالات دیکھتے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے بہت سے علماء نے چیزوں کو بدل دیا ہے اور انہوں نے اپنے زمانے کے بہت سے فتاویٰ کو واپس لے لیا، ماحول کی تبدیلی، زمانے کی تبدیلی، رواج میں تبدیلی، حالات میں تبدیلی یا ان کے علاوہ ان اسباب سے جن سے اجتہاد میں تبدیلی آجاتی ہے۔ یہی دراصل روایات و اقوال میں اختلاف کا راز ہے۔[6]

اسی طرح مالکؒ اور اصحاب شافعی کا اختلاف اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے، حالانکہ ان کا زمانہ قریب رہا ہے۔ اس وقت کی تبدیلی سست تھی اور ماحول بھی تقریباً ویسا ہی ہے، تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اتنا زیادہ علمی اختلاف کر سکیں؟ اگر ہمارے زمانے کا تقابل کیا جائے تو ہمارا دور اس زمانے کے بہت بعد کا ہے اور زمانہ، جگہ، رسم و رواج اور حالات سب بدل چکے ہیں۔ اس قسم کی تبدیلیاں آچکی ہیں جو پہلے کسی کو معلوم نہ تھیں۔

اس پس منظر میں ہمارے لیے کیا یہ جائز ہے کہ ہم ایک خاص محنت پر جمود کا شکار رہیں جب کہ ہمارے ارد گرد کی دنیا بدل رہی ہے اور نظریات بدل رہے ہیں۔ دنیا اور ٹیکنالوجی ترقی کر رہی ہے اور بجلی کی رفتار سے چل رہی ہے۔

ایسا جمود نہ شریعت کے مفاد میں ہے اور نہ ہی مکتب فکر کے مفاد میں ہے۔ ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے اپنے مکاتب فکر کے دائرے میں ہی جمود اختیار کیا اور کسی دوسرے کی فقہ کو قبول نہیں کیا۔ وہ تمام شریعتوں کو قانون سازی اور عدلیہ کے میدان سے غائب کرنے کا سبب بنے اور اس طرح ان کے مکاتب فکر بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے مکتب فکر کی خاطر شریعت مطہرہ کو قربان کر دیا۔ لہٰذا نہ شخصیت رہی اور نہ ہی مکتب فکر رہا۔

ایک بات جسے یہاں فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ آج جو وضعی قوانین اسلامی ممالک میں لاگو ہیں، وہ غیر ملکی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں، لہٰذا اگر کوئی فقہی مکتب چاہے وہ احناف کا ہو یا اس کے علاوہ شوافع، مالکیہ یا کوئی بھی ہو، اگر ان میں سے کسی ایک مسئلہ کو ان فقہی مکاتب سے اختیار کیا جائے۔ اسے اختیار کرنا کسی اور نظریے پر اس کا غلبہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اسے وضعی قانون پر فتح سمجھا جاتا ہے جس نے شرعی قانون کی جگہ غصب کر لی تھی۔

عصر حاضر میں شرعی قوانین کا مقابلہ کسی ایک مکتب فکر اور دوسرے مکتب فکر کے درمیان نہیں بلکہ شریعت بشمول اس کے تمام مکاتب فکر، مدارس اور فقہی اجتہادات کے اور یہاں وہاں سے درآمد کیے گئے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے درمیان ہے۔ ایک اسلامی ملک میں ان قوانین کی فتح کا مطلب کسی خاص مکتب فکر کی شکست نہیں ہے، بلکہ خود شریعت کی شکست ہے اور یہ کسی مسلمان کے لیے قابل قبول نہیں۔[7]

اس لیے فقہی مذاہب کے حامیوں کو چاہیے کہ وہ کم از کم معاشرتی قانون سازی اور عمومی قانون سازی کے حوالے سے اپنے نظریے کو ترک کر دیں اور فقہی مذاہب کے بہترین اجتہادات اور آثار سے استفادہ کریں۔ جو کچھ ان میں عصری روح کے مطابق موجود ہے اور اس میں لوگوں کے مفادات، اس میں قرآن و سنت سے اخذ کردہ مسائل، شریعت کے عمومی احکام اور اسلام کی روح، ان کے اجتہاد میں صالح پیشروؤں کی رہنمائی اور ان احکام و مسائل کو آسانی کے ساتھ لینے اور مشکلات سے دور رکھنے میں ان سب خصوصیات کو مد نظر رکھیں۔

3.2 قانون سازی پر علماء کے شبہات و خدشات

بعض اسلامی ممالک میں شرعی علماء وفقہاء کی ایک جماعت نے فقہ کی قانون سازی پر اپنے خدشات وشبہات کا اظہار کیا اور کچھ نے باقاعدہ اس پر عملی معارضہ بھی کیا۔ ان حضرات کے شبہات کے نکات مندرجہ ذیل ہیں:

1. قانون سازی کے لیے جج کو ایک مخصوص رائے تک محدود رکھنا ضروری ہے جسے قانون بنانے والے منتخب کرتے ہیں - اس حقیقت کے باوجود کہ فقہ مستند فقہی آراء اور فقہی اصولوں سے مالا مال ہے، لیکن ایک جج وہی اختیار کرتا ہے جس کا وہ زیادہ امکان سمجھتا ہے یا پھر جو اس کے سامنے پیش کیے گئے کیس کے لیے مناسب ہوتا ہے۔ یہ قانونی حیثیت جج کو "منجمد" کر دیتی ہے اور اسے قانون کے پنجرے میں بند کر دیتی ہے۔ جہاں تک فقہ کی لچکدار حیثیت کا تعلق ہے، یہ اسے حالات اور واقعہ کے لیے مناسب حکم کا انتخاب کرنے کی آزادی دیتی ہے۔ اس وجہ سے شریعت میں اصول یہ تھا کہ قاضی مجتہد ہونا چاہیے جو اصل شریعت کے شواہد سے فیصلہ اخذ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مجتہد کی عدم موجودگی کے پیش نظر تقلید قبول کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔

2. کچھ قوانین کا عملی اطلاق ان کی ضرورت کی کمی یا ناکافی کو ظاہر کر سکتا ہے اور وہ درست بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اس قانون سازی کے نقصان کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ نیز حالات بدلتے رہتے ہیں اور جب وہ بدل جاتے ہیں تو ان کے حوالے سے دیئے گئے احکامات اپنا جواز کھو دیتے ہیں۔ قانونی احکامات جامد اور پابند رکھتے ہیں، اور جج ان پر اپنی مرضی سے عمل نہیں کر سکتا یا ان سے انحراف نہیں کر سکتا۔[8]

3. قانون سازی ججوں میں ایک قسم کی سستی اور مدون شدہ قانون پر انحصار پیدا کر دیتی ہے اور وہ فقہی ذرائع کا سہارا لینے میں کاہلی سے کام لیتے ہیں، نیز حکم اور دلیل کی تلاش میں سست پڑ جاتے ہیں اور دو آراء میں ترجیح اختیار کرنے کے معاملے میں بھی ان کی صلاحیتیں ماند پڑ جاتی ہیں، ان سب سے جج کی علمی وسعت محدود ہو جاتی ہے اور وہ فقہ اور اس کی بنیادوں اور اس کے ذرائع سے مستقل طور پر منسلک نہیں رہ پاتا۔[9]

3.3 قانون سازی کو ترجیح دینے والے معیارات

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ قانون سازی کو ترجیح دینے والے نظریات و معیارات جائز ہیں، جن کا زیادہ بہتر اور طاقتور نظریات نے معارضہ کیا ہے۔ ہر دور میں قانون سازی پر عرف وحالات کی تبدیلی اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے فقہائے کرام نے کچھ معیارات مقرر کر دیئے ہیں، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ایسے جج، جنہیں ایسی پابندی اور ذمہ داری کی ضرورت ہے، تاکہ تصادم کی صورت پیدا نہ ہو اور لوگ تضادات اور الجھنوں میں پڑ جائیں۔ ہر جج کو منتخب کرتے وقت اس میں موجود مستقل صلاحیتوں، مہارتوں اور قابلیت کی ضرورت ہے اور بعض خوبیاں اس کے اندر موجود ہوتی ہیں، جن کی بنیاد پر وہ اپنے سابقہ علم اور مہارت سے کام لیتے ہوئے ایسے بھی فیصلے کرتا ہے، جن کے بارے میں

متن سے کچھ بھی نہیں ملتا۔ ان میں سے بعض جذبات اور خواہشات کے اثر سے ڈرتے ہیں، اس لیے وہ اس رائے سے ایک شخص کے لیے ایک بار فیصلہ کرتا ہے اور دوسرے شخص کے لیے دوسرے کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔

2۔"قانون سازی" کو ترجیح دینے والا معیار یہ بھی ہے کہ فریقین کو اس بات کا بخوبی علم ہو کہ حکم کس طرف جارہا ہے، آیا یہ ان کے لیے ہے یا مبہم۔ ایک عورت جو اپنے شوہر سے الگ ہو گئی ہو اور جس کے ایک خاص عمر میں اس سے چھوٹے بچے ہوں، وہ جانتی ہے کہ اسے کب بچوں کی پرورش کا حکم دیا جائے گا اور اس کے شوہر کو یہ حق کب حاصل ہو گا۔ لیکن جج کی آزادی اور قانون سازی کی عدم موجودگی میں اسے یہ چیز معلوم نہیں ہو گی کہ جج نے مختلف فقہی مذاہب میں سے اسے کس مذہب کے تحت حضانت کا حق دینا ہے؟ اور ایسی بہت سی امثلہ ہیں۔

3. فقہ کی قانون سازی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جج محض مضامین پڑھنے، یا انہیں حفظ کرنے پر انحصار کرے۔ یہ اس جج کے لیے قابل قبول نہیں ہے جو اپنی ذات اور منصب کا احترام کرتا ہو، اگرچہ وہ کسی قدر اس سے مطمئن بھی ہو، اس لئے کہ قانون میں وضاحتی نوٹ ہیں جن کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر السنھوری نے مصر کے نئے سول کوڈ کو نو بڑی جلدوں میں مدون کیا ہے۔ اس کا پہلا حصہ تقریباً ایک ہزار پانچ سو صفحات پر مشتمل تھا اور اسے "الوسیط" کا نام دیا گیا۔ اس کی ایک مفصل شرح لکھی گئی جس کا نام "المبسوط" رکھا گیا۔ اس سے پہلے مجلۃ الاحکام العدلیہ کی بہت سی شروحات تھیں جو فقہ حنفی میں اس کے لئے حوالہ جاتی شروح میں شمار ہوتی ہیں۔

4۔ تاہم دنیا میں لکھا جانے والا کوئی بھی قانون، خواہ اس کے مضامین کتنے ہی وسیع کیوں نہ ہوں، اس کی شاخیں ہوں اور اس کے ابواب بے شمار ہوں، اس کے نصوص ان تمام حقائق کا احاطہ نہیں کرسکتے جن کے بارے میں لوگ جھگڑ رہے ہیں اور اسے عدلیہ کے سامنے لایا جاتا ہے، تو اگر جج کو قانون میں متن نہ ملے تو کیا کرے؟ جج کے سامنے جو دعویٰ اور اس کے حوالے سے شواہد پیش کیے جاتے ہیں، اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیے اور اس کا فیصلہ قابل قبول وجوہات پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسے ان وجوہات کو تسلیم شدہ ذرائع سے اخذ کرنا چاہیے۔ اس وجہ سے قانون خود ان ذرائع کا تعین کرتا ہے جن کی طرف جج قانونی متن کے ضائع ہونے پر حوالہ دیتا ہے۔

یہ فطری بات ہے کہ جب شریعت مطہرہ سے کوئی قانون وضع کیا جاتا ہے تو اس میں اس شریعت اور اس فقہ کا حوالہ دینے کی ضرورت کو بیان کیا جاتا ہے تاکہ پیش آمدہ مسئلہ کا شرعی حکم نکالا جاسکے۔ جج کے لیے فقہ اور اس کے ذرائع کو ترک کرنے اور اس کے چھپے ہوئے خزانوں کی تلاش میں کوئی خوف نہیں ہے۔

5۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں اور ہم سے صدیوں پہلے کے قاضی تقلید کرنے والے ہیں جو اپنے ملکوں میں مروجہ فقہی مسالک ومکاتب پر عمل کرنے کے پابند ہیں، ان میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے کہ جو ترجیح اور جزئی اجتہاد کے قائل تھے، اگرچہ یہ مشق انتہائی نایاب ہے۔ عام طور پر وہ جج اس ریاست کے فقہی مکتب فکر پر کاربند رہتا ہے، جہاں وہ کام کر رہا ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ جج کے پاس نقل وحرکت کی آزادی نہیں ہے کہ وہ جو دیکھتا ہے اسے چن لے، بلکہ وہ مخصوص معلوم دفعات کے ذریعے محدود ہے، چاہے وہ تحریری قانون کی شکل ہی کیوں نہ اختیار کریں۔ اس سے زیادہ مناسب یہ بات لگتی ہے کہ اسے ثقہ علماء کے ایک ایسے گروہ کے وضع کردہ قانون کا پابند بنایا جائے جو شریعت کی فقہ کا مطالعہ کرتے ہیں اور زمانے کے تقاضوں اور

لوگوں کے حالات سے واقف ہیں، مضبوط اور قابل اعتماد مددگاروں کی معاونت سے جو قانون، انتظامیہ، معاشیات اور دیگر امور میں میں مہارت رکھتے ہیں۔

3.4 قانون سازی کی شرائط

ڈاکٹر یوسف قرضاوی کے ہاں قانون سازی کی شرائط مندرجہ ذیل ہیں:

• قانون سازی میں کسی خاص مکتبہ فکر کی پابندی نہیں کرنی چاہئے، سوائے اس کے جو راجح ترین ہو۔ کیونکہ یہ اس چیز کو محدود کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون سے بڑھایا ہے اور فقہ کے وسیع دائرے کو تنگ کرتا ہے۔ فقہ کا طالب علم اس دائرے کو بخوبی جانتا ہے جس میں رجحانات کی کثرت، فقہی مکاتب کا تنوع، وسیع، تنگ اور درمیانے درجے کے درمیان فرق ہوتا ہے۔ ایک فقیہہ نص کے حروف کی پیروی کرتا ہے تو دوسرا مفہوم و معانی کو دیکھتا ہے اور قیاس سے استخدام کرتا ہے، تیسرا مصالح و مقاصد کی رعایت رکھتا ہے۔ اس طرح ہر ایک کے لئے وسعت اور کشادگی پیدا ہو جاتی ہے۔

اگر ایک مکتب فکر میں کوئی تنگی ہو جاتی ہے تو دوسرا اس تنگی کا علاج بتا دیتا ہے۔ اگر اسے ایک امام کے قول میں وہ چیز نہیں ملتی تو ممکن ہے کہ وہ دوسرے کے ہاں بھی نہ ہو۔ بسا اوقات قانون کے تلاش کرنے والے کو وہ مطلوبہ چیز چاروں مکاتب فکر میں نہیں ملتی جس کی وہ تلاش کر رہا ہے، اس لیے وہ دیگر مکاتب فکر کے ائمہ کی جانب رجوع کرتا ہے۔ یہاں اس سے مراد باقی آٹھ مذاہب یعنی ظاہری، زیدی، جعفری اور عبادی سے نہیں ہے، بلکہ ان سے مراد صحابہ کرام، تابعین اور ان کے پیروکاروں کے مکاتب فکر ہیں جن کی تقلید کے لیے کوئی پیروکار نہیں ہے۔ ہمارے وقت میں. یہ تمام مکاتب فکر شریعت کی طرف انتساب میں برابر ہیں، جب تک کہ ان کی کوئی بھی رائے کسی قطعی متن یا کسی خاص اجماع سے متصادم نہ ہو۔

یہ شاندار صلاحیت اسلامی فقہ کے ان کارناموں میں سے ایک ہے جس کو بین الاقوامی تقابلی فقہ کے ماہرین نے معروف کانفرنسوں، جیسا کہ ہیگ انٹرنیشنل کانفرنس برائے تقابلی قانون اور دیگر میں تسلیم کیا ہے۔

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس ساری دولت سے فائدہ اٹھائیں اور اس کے خزانوں کو عیاں کریں، بغیر اس تعصب کے کہ بنا دلیل کسی قول کو دوسرے پر ترجیح دی جائے اور ایک مکتب فکر کو دوسرے مسلک پر بلا کسی ثبوت یا دلیل کے ترجیح نہ دی جائے۔ اگر آخری دور میں سلطنت عثمانیہ کے علمائے کرام تمام معتبر مذاہب سے مجلۃ الاحکام العدلیہ کو وضع کرنے پر کامیاب ہو جاتے اور اسے صرف حنفی مکتب میں مقید نہ کرتے تو وضعی قوانین یعنی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو اسلامی ممالک میں شریعت کو بدلنے کا کوئی راستہ نہ ملتا۔ یہ ایک فقہ کی قانون سازی میں نئی صبح کا آغاز ہوتا اور اس سے فقہی قانون سازی کی مناسب نشوونما بھی ہوتی۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ نے خود فقہائے احناف کے بعض مرجوح اقوال کو لیا ہے، ممکن ہے اس کے پیچھے دنیاوی مفاد کا حصول ہو یا بدعنوانی کو دور کرنے کے حوالے سے ایسا کیا گیا ہو۔

سلطنت عثمانیہ اپنے آخری دور میں خاندانی حقوق کے حوالے سے اس بات پر مجبور ہو گئی تھی کہ خود کو ایک مخصوص فقہ کے دائرہ کار سے نکال کر دوسرے مکاتب فکر کے اجتہادات اور اصولوں سے استفادہ کرے تاکہ مقاصد شریعت بھی پورے ہوں اور انسانوں کے مصالح کی بھی رعایت رکھی جا سکے۔ اسی تناظر میں مالکی مسلک سے میاں بیوی کے درمیان لازمی عدالتی علیحدگی کا

اصول، قرآن کریم میں بیان کردہ "فیملی کونسل" کی ثالثی کے ذریعے لیا۔ اس طرح متاثرہ بیوی کو بدسلوکی کرنے والے شوہر سے چھٹکارا حاصل کرنے کے قابل بنایا۔

یہ بعض صحابہ کا مذہب ہے کہ دو فیصلہ سازوں کو تفریق کا حق ہے، جو قرآن کا ظاہری مفہوم ہے، جس نے ان کو فیصلہ ساز کہا ہے۔ ایک فیصلہ کنندہ میاں کی جان سے اور ایک بیوی کی جانب سے۔ اسی طرح دوسرے احکامات کا حکم بھی ہے، جیسا کہ لاپتہ کی بیوی کا مسئلہ۔

• قانون سازی کرنے والے افراد اسلامی فقہی مذاہب میں سے راجح ترین چیز کو اختیار کریں اور اسے قانون کی شکل دیں۔ اس طرح کہ پہلے صحابہ کی آراء سے شروع کریں اس کے بعد تابعین اور اس طرح ان کے بعد والوں کی راجح رہے کہ اختیار کردہ مسائل مقاصد شریعت کے زیادہ قریب ہوں اور لوگوں کے مصالح کی زیادہ رعایت رکھتے ہوں، ان میں حرج اور تنگی نہ پائی جاتی ہو۔ ہمارے پاس مختلف زمانوں کے فقہاء میں ایک اچھی مثال موجود ہے، کیونکہ وہ اکثر یہ کہہ کر اپنی مخالف رائے کو ترجیح دیتے تھے کہ یہ لوگوں کے مصالح کے اعتبار سے اور عمل کے لحاظ سے زیادہ آسان ہے۔

الرفق بالناس "لوگوں کے ساتھ نرمی" کے اصول نے انہیں بہت سے معاہدوں اور لین دین کو قیاس کے بر خلاف "استحسان" کے طور پر درست کرنے پر مجبور کیا، مثلاً احناف کے ہاں استصناع اور بیع وفاء وغیرہ۔ لوگوں کے ساتھ سہولت اور احسان کا رجحان خود شریعت کی روح ہے جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا تھا اور سختی نہیں چاہتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ معاملہ کرتا ہے جسے دو معاملات میں سے کسی ایک کا انتخاب نہیں کیا جاتا بلکہ وہ ان دونوں میں سے آسان کو چنتا ہے۔ جب تک یہ دو نہیں ہے۔

• معقول مدت کے گزرنے پر قانون کا جائزہ لینا۔ یہ جائزہ عملی اطلاق کی روشنی، ججوں، وکلاء، اور عام قانونی معاملات میں شامل افراد کے ملاحظات کی روشنی میں لیا جائے گا تاکہ جس چیز میں تبدیلی یا تغیر کی ضرورت ہو تو اسے تبدیل کیا جائے اور جس کا اضافہ کرنا ہے تو اس کا اضافہ کیا جا سکے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہی اجتہادی احکام ہمیشہ ترمیم، اضافہ اور حذف کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض صحابہ کرام نے بھی کیا، جیسا کہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ وہ ایک سال ایک رائے پر فتوی دیتے تھے اور دوسرے سال دوسری رائے پر فتوی دیا کرتے تھے۔ جب ان سے اس بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ پرانا اس بنیاد پر تھا جو ہم ماضی میں جانتے تھے اور موجودہ اس رائے پر ہے جو ابھی ہمارے علم میں ہے۔ فقہ شافعی کے دو مکتبہ فکر ہیں: ایک وہ نقطہ نظر، جس میں امام شافعیؒ عراق میں مقیم تھے اور اس دور میں جو پیش آمدہ مسائل کے فتاوٰی جات کے جوابات دیئے، اسے "پرانا" کہا جاتا۔ دوسرے نقطۂ نظر کو جب امام صاحب مصر میں جا کر آباد ہوئے اس کو "نیا" کہا جاتا اور یہ ان کے مکتب فکر کی کتابوں میں عام اصطلاح ہے کہ امام شافعی نے پرانے قول میں یہ کہا اور نئے قول کے مطابق یہ کہا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر فتویٰ وقت، جگہ، حالات اور عادت کے بدلنے سے بدلتا ہے تو ان چیزوں کے بدلنے کے ساتھ قانون بھی بدلنا چاہیے۔

4 فقہ المقارن میں یوسف قرضاوی کے منہج کا جائزہ

یوسف القرضاوی کا فقہ المقارن میں منہج ایک منفرد اور متوازن طریقہ کار ہے جو اسلامی شریعت کے اصولوں کو جدید معاشرتی مسائل کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کی تحریریں اس بات کی عکاس ہیں کہ انہوں نے کلاسیکی فقہ اور جدیدیت کے درمیان توازن قائم کرنے کے لیے اجتہادی اصولوں کا استعمال کیا ہے، تاکہ شریعت کو معاشرتی تبدیلیوں کے مطابق

بروئے کار لایا جا سکے۔ یہ منہج اسلامی قانون کے مختلف مکاتب فکر کے مابین موازنہ کرتے ہوئے ان کی تطبیق کے امکانات کو واضح کرتا ہے۔

4.1 توازن اور اعتدال کا منہج

علامہ قرضاوی نے فقہ المقارن میں ایک خاص توازن اور اعتدال کو ترجیح دی۔ ان کے نزدیک، اسلامی قانون کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اور اس کی تشکیل میں اعتدال کا اصول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ علامہ قرضاوی نے فقہی مکاتب فکر کے درمیان اختلافات کو حل کرنے اور ایک ایسے مشترکہ منہج کو اپنانے کی کوشش کی، جو امت کے لیے قابل قبول ہو اور جدید دنیا کے نئے پیش آمدہ مسائل کو بھی حل کر سکے۔

مثال کے طور پر، انہوں نے مختلف مکاتب فکر کے نظریات کا موازنہ کیا اور ان میں سے وہ موقف اپنایا جو جدید معاشرتی تناظر میں زیادہ قابل عمل ہو۔ اس اصول کا اطلاق معاصر مالیاتی معاملات میں ہوتا ہے، جیسا کہ اسلامی بینکاری اور انشورنس کے مسائل، جہاں علامہ قرضاوی نے ایک جامع اور متوازن نقطہ نظر اپنایا۔[10]

4.2 اجتہاد اور تقلید کا متوازن استعمال

یوسف القرضاوی کا فقہ المقارن میں دوسرا اہم منہج اجتہاد اور تقلید کے درمیان توازن قائم کرنا ہے۔ ان کے مطابق، اجتہاد وقت کے ساتھ بدلتے ہوئے مسائل کے حل کے لیے ضروری ہے، لیکن یہ اصولی طور پر شریعت کے بنیادی مقاصد سے متصادم نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے تقلید کی اہمیت کو تسلیم کیا، مگر ساتھ ہی اس بات پر زور دیا کہ اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہنا چاہیے تاکہ جدید مسائل کا حل نکالا جا سکے۔

اجتہاد کے اس منہج نے فقہ المقارن میں بہت سے مسائل کو حل کرنے میں مدد دی، جیسا کہ ماحولیاتی تحفظ، جدید طبی مسائل اور خواتین کے حقوق کے مسائل۔ علامہ قرضاوی نے اجتہاد کی روشنی میں ان مسائل کا جائزہ لیا اور ایسے فیصلے دیے جو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ جدید دنیا کی ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں۔[11]

4.3 مصلحت اور مقاصد شریعت کے باہم ارتباط کا اصول

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے فقہ المقارن میں مصلحت اور مقاصد شریعت کے اصول کو مرکزی حیثیت دی۔ ان کے مطابق، شریعت کا مقصد انسانیت کی فلاح و بہبود ہے اور اس کے اصولوں کو اسی مقصد کے تحت لچکدار بنایا جانا چاہیے۔ انہوں نے مصلحت کے اصول کو اپنانے کی حمایت کی تاکہ ایسے مسائل کا حل تلاش کیا جا سکے جو معاشرتی، معاشی اور سیاسی تناظر میں مسلمانوں کے لیے اہم ہیں، مثلاً انہوں نے مقاصد الشریعہ کو سامنے رکھتے ہوئے جدید معاشرتی مسائل، جیسا کہ اقلیتوں کے حقوق، خواتین کے مسائل اور ماحولیاتی تبدیلیوں پر اجتہادی فیصلے دیے۔ علامہ قرضاوی کا منہج اس بات کا عکاس ہے کہ شریعت کے اصولوں کو جامد نہیں ہونا چاہیے، بلکہ وہ معاشرتی ضرورتوں کے مطابق لچکدار ہو سکتے ہیں۔[12]

4.4 مذاہب اربعہ کے درمیان ہم آہنگی

یوسف القرضاوی نے مذاہب اربعہ یعنی حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی مسالک کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ فقہی اختلافات کو کم کیا جا سکے۔ ان کے مطابق، مختلف مکاتب فکر کے فقہی اصولوں کا موازنہ کرتے ہوئے ایک ایسا منہج اپنانا چاہیے

جوامت مسلمہ کے درمیان اتحاد اور اتفاق کو فروغ دے۔ انہوں نے مختلف مسائل میں مذاہب اربعہ کے موقف کا جائزہ لیا اور ان میں سے وہ موقف اپنایا جو امت کے لیے سب سے زیادہ مناسب اور قابل قبول ہو۔

مثال کے طور پر، علامہ قرضاوی نے طلاق، نکاح اور وراثت جیسے مسائل میں مختلف مکاتب فکر کے درمیان مشترکہ اصول تلاش کیے اور انہیں جدید معاشرتی تناظر میں اپنایا۔ اس طریقہ کار نے امت میں فکری ہم آہنگی پیدا کرنے میں مدد دی اور فقہی اختلافات کو کم کیا۔[13]

4.5 معاشرتی انصاف کا قیام

یوسف القرضاوی کے فقہ المقارن میں ایک اور اہم پہلو معاشرتی انصاف کا قیام ہے۔ ان کے مطابق، اسلامی شریعت کا بنیادی مقصد معاشرتی انصاف کی فراہمی ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے فقہی اصولوں کو معاشرتی تناظر میں نافذ کرنا ضروری ہے۔ علامہ قرضاوی نے اسلام کے عدالتی اور قانونی اصولوں کو معاشرتی انصاف کے تناظر میں دیکھا اور انہیں موجودہ دور کے مسائل کا حل سمجھا۔ انہوں نے زکوۃ، صدقہ اور غربت کے خاتمے کے مسائل پر اسلامی قانون کے مختلف مکاتب فکر کا موازنہ کیا اور ایک ایسے منہج کو فروغ دیا جو معاشرتی انصاف کے اصولوں پر مبنی ہو۔ علامہ قرضاوی کا مؤقف تھا کہ اسلامی معاشروں میں غربت اور عدم مساوات کے خاتمے کے لیے شریعت کے اصولوں کا نفاذ ضروری ہے۔[14]

4.6 عالمگیریت اور اسلامی قوانین کا نفاذ

یوسف القرضاوی نے فقہ المقارن میں عالمگیریت کے تناظر میں اسلامی قانون کی تطبیق کا بھی جائزہ لیا۔ ان کے نزدیک اسلامی قانون کو ایسے طریقے سے نافذ کیا جانا چاہیے جو عالمگیر مسائل کا حل پیش کر سکے۔ انہوں نے عالمی سطح پر اسلامی قانون کے اصولوں کو اپنانے کی ترغیب دی، خاص طور پر ایسے مسائل میں جو مسلمانوں کے علاوہ پوری دنیا کے لیے اہم ہیں، جیسا کہ ماحولیاتی مسائل، بین الاقوامی تجارت اور انسانی حقوق۔

یوسف القرضاوی نے بین الاقوامی قانون اور اسلامی قانون کے درمیان موازنہ کیا اور ایسے اجتہادی فیصلے دیے جو دونوں نظاموں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر سکیں۔ اس طریقہ کار نے اسلامی قانون کو عالمگیر مسائل کے حل کے لیے ایک قابل عمل نظام کے طور پر پیش کیا۔[15]

4.7 جدید مالیاتی مسائل کا حل

یوسف القرضاوی نے جدید مالیاتی مسائل، جیسا کہ اسلامی بینکاری، سود، اور تجارتی معاملات میں اسلامی قانون کی تطبیق پر تفصیلی بحث کی۔ انہوں نے مختلف فقہی مکاتب فکر کے مالیاتی مسائل کے حوالے سے نظریات کا موازنہ کیا اور ایسے اجتہادی اصول وضع کیے جو جدید مالیاتی نظام کے مطابق ہوں۔ علامہ قرضاوی کا مؤقف تھا کہ اسلامی بینکاری اور مالیاتی نظام کو موجودہ معاشرتی اور اقتصادی تناظر میں اپنانا چاہیے تاکہ یہ نظام جدید تقاضوں کو پورا کر سکے۔ انہوں نے سود کے مسئلے پر تفصیلی بحث کی اور اسلامی مالیاتی اصولوں کی روشنی میں اس کا متبادل پیش کیا۔ علامہ قرضاوی کے نزدیک اسلامی معاشروں میں سود سے پاک مالیاتی نظام کو اپنانا نہ صرف اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، بلکہ معاشرتی انصاف کے قیام میں بھی معاون ثابت ہو سکتا ہے۔[16]

4.8 خواتین کے حقوق کا تحفظ

یوسف القرضاوی نے فقہ المقارن میں خواتین کے حقوق کا تحفظ کرنا لازم قرار دیا۔ انہوں نے مختلف مکاتب فکر کے نظریات کا موازنہ کرتے ہوئے ایک ایسا منہج اختیار کیا جو خواتین کے حقوق کے تحفظ سے متعلق اسلامی تعلیمات کے عین مطابق ہو۔ علامہ قرضاوی کے مطابق اسلامی قانون میں خواتین کو مساوی حقوق دیے گئے ہیں اور جدید معاشرتی تناظر میں ان حقوق کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔ انہوں نے طلاق، وراثت، اور نکاح جیسے مسائل پر تفصیلی اجتہادی بحث کی اور ان مسائل میں اسلامی قانون کے مختلف مکاتب فکر کے مابین موجود اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کی۔ علامہ قرضاوی کا موقف تھا کہ اسلامی قانون میں خواتین کے حقوق کی ضمانت موجود ہے اور ان حقوق کو معاشرتی سطح پر نافذ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اجتہادی اصولوں کو بروئے کار لایا جائے۔[17]

5 فقہ المقارن کے منہج کا معاشرے پر اثر

یوسف القرضاوی کا فقہ المقارن میں منہج، یعنی اسلامی قانون کے مختلف مکاتب فکر کے درمیان موازنہ اور مطابقت پیدا کرنے کی کوشش نے مسلم معاشروں پر اہم اثرات مرتب کیے ہیں۔ علامہ قرضاوی کے طریقہ کار میں اعتدال، اجتہاد، اور مصلحت کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے، نے اسلامی فقہ کو عصر حاضر کے معاشرتی مسائل کے ساتھ جوڑنے اور جدید دنیا کی ضروریات کو پورا کرنے میں مدد دی ہے۔ ان کے منہج کے معاشرتی اثرات مختلف شعبوں میں نظر آتے ہیں، جن میں دینی، معاشرتی، قانونی، اور معاشی مسائل شامل ہیں۔

5.1 معاشرتی ہم آہنگی اور فرقہ واریت کا خاتمہ

یوسف القرضاوی کے منہج کا سب سے زیادہ اثر معاشرتی ہم آہنگی کے قیام میں نظر آتا ہے۔ علامہ قرضاوی نے مختلف مکاتب فکر کے درمیان فقہی اختلافات کو کم کرنے کی کوشش کی اور ایک مشترکہ منہج اپنانے کی ترغیب دی، جس سے فرقہ واریت میں کمی آئی۔ ان کے فقہ المقارن کے منہج نے امت مسلمہ کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ طریقہ کار خاص طور پر ایسے معاشروں میں مفید ثابت ہوا جہاں فقہی اختلافات کی وجہ سے تقسیم پیدا ہو رہی تھی۔

مثال کے طور پر علامہ قرضاوی نے اسلامی مالیات، عبادات اور معاشرتی مسائل میں مختلف مکاتب فکر کے نظریات کا موازنہ کیا اور ان میں سے وہ موقف اپنایا جو امت کے لیے زیادہ قابل عمل اور مناسب تھا۔ اس منہج نے فرقہ واریت اور داخلی اختلافات کو کم کرنے میں مدد دی اور مسلمانوں کے درمیان اتفاق و اتحاد پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوا۔[18]

5.2 جدید مسائل میں اجتہاد کی افادیت اور سہولت

یوسف القرضاوی کے منہج کا دوسرا اہم اثر یہ ہے کہ انہوں نے اجتہاد کے دروازے کو کھلا رکھا، جو کہ جدید مسائل کے حل کے لیے ایک اہم عنصر ہے۔ ان کے اجتہادی اصولوں نے جدید دنیا میں پیدا ہونے والے مسائل، جیسا کہ معاشی، طبی اور قانونی مسائل کو اسلامی شریعت کی روشنی میں حل کرنے میں مدد دی۔ علامہ قرضاوی کے منہج نے مسلمانوں کے لیے جدید دنیا کے مسائل کا حل نکالنا آسان بنا دیا، جس سے معاشرتی ترقی اور سہولت پیدا ہوئی۔ مثال کے طور پر قرضاوی نے اسلامی بینکاری اور سود کے مسئلے پر تفصیلی اجتہادی بحث کی اور جدید مالیاتی مسائل کا ایک اسلامی متبادل پیش کیا۔ اس نے مسلمان ممالک میں معاشی اصلاحات

کے عمل کو آسان بنایا اور سود سے پاک بینکاری نظام کے قیام میں مدد کی، جو کہ مسلمانوں کے لیے ایک اہم مسئلہ تھا۔[19]

5.3 خواتین کے حقوق میں بہتری

قرضاوی کے منہج کا ایک اور اہم اثر خواتین کے حقوق سے متعلق بھی دیکھا گیا ہے۔ انہوں نے فقہ المقارن کے ذریعے مختلف مکاتب فکر کے نظریات کا جائزہ لیا اور ان میں سے وہ موقف اپنایا جو خواتین کے حقوق کے تحفظ کے حوالے سے زیادہ مناسب تھا۔ علامہ قرضاوی نے خواتین کے حقوق، جیسا کہ وراثت، وصیت، نکاح اور طلاق کے مسائل میں اجتہاد کے ذریعے جدید تناظر میں نئے حل پیش کیے۔

یہ منہج ان معاشروں میں خاص طور پر مفید ثابت ہوا جہاں خواتین کے حقوق کے مسائل پیچیدہ تھے اور ان پر مختلف فقہی مکاتب فکر کی روایات کا اثر تھا۔ علامہ قرضاوی کے منہج نے خواتین کے حقوق میں بہتری کے لیے نئے راستے کھولے اور معاشرتی سطح پر خواتین کی حیثیت کو بہتر کرنے میں مدد دی۔[20]

5.4 مصلحت اور مقاصد شریعت کے اصول کا ارتباطی نفاذ

علامہ یوسف قرضاوی کے منہج کا ایک اور اہم اثر مصلحت اور مقاصد شریعت کے اصول کا معاشرتی مسائل میں نفاذ ہے۔ علامہ قرضاوی نے شریعت کے مقاصد، جیسا کہ عدل، مساوات اور معاشرتی فلاح و بہبود کو اجتہاد کے ذریعے جدید مسائل کے حل میں بروئے کار لایا۔ ان کا مؤقف تھا کہ اسلامی قانون کو مصلحت کے اصول کے تحت لچکدار بنایا جا سکتا ہے تا کہ معاشرتی مسائل کا بہتر اور مؤثر حل نکالا جا سکے۔

مثال کے طور پر، انہوں نے ماحولیاتی مسائل، جیسا کہ پانی کے تحفظ اور جنگلات کی کٹائی کے بارے میں اسلامی اصولوں کی روشنی میں اجتہادی فیصلے دیے، جس سے مسلم معاشروں میں ماحولیات کے تحفظ کے حوالے سے شعور بیدار ہوا۔[21]

5.5 بین الاقوامی تعلقات اور امن کا فروغ

علامہ قرضاوی کے فقہ المقارن کے منہج کا ایک اور اہم اثر بین الاقوامی تعلقات اور امن کے فروغ کے حوالے سے دیکھا گیا ہے۔ انہوں نے بین الاقوامی قانون اور اسلامی قانون کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے ایسے اصول وضع کیے جو عالمی سطح پر امن اور انصاف کے قیام میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کے منہج نے مسلم ممالک کے بین الاقوامی تعلقات میں اصلاحات اور امن کے فروغ کے لیے نئے راستے کھولے۔

یوسف قرضاوی نے عالمی سطح پر اسلامی اصولوں کے نفاذ کے لیے اجتہاد کا استعمال کیا، خاص طور پر ایسے مسائل میں جو کہ عالمی امن، انسانی حقوق، اور انصاف سے متعلق تھے۔ اس طریقہ کار نے مسلم معاشروں میں عالمی سطح پر امن اور بین الاقوامی تعاون کے فروغ میں مدد کی۔[22]

5.6 معاشرتی انصاف اور غربت کا خاتمہ

یوسف القرضاوی کے منہج کا ایک اہم اثر معاشرتی انصاف کے قیام اور غربت کے خاتمے کے حوالے سے سامنے آیا ہے۔ انہوں نے زکوٰۃ، صدقات اور اسلامی مالیات کے اصولوں کا جدید تناظر میں اجتہادی جائزہ لیا اور ایسے حل پیش کیے جو مسلم معاشروں میں غربت کے خاتمے اور معاشرتی انصاف کے قیام میں مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ علامہ قرضاوی کا منہج معاشرتی انصاف

کو اسلامی معاشروں کا بنیادی مقصد قرار دیتا ہے، اور اس کے نفاذ کے لیے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔[23]

5.7 مشکلات اور چیلنجز

یوسف قرضاوی کے منہج کو اختیار کرنے میں کچھ معاشرتی اور فکری چیلنجز بھی در پیش آئے۔ مختلف مکاتب فکر کے درمیان تاریخی اختلافات کی وجہ سے بعض حلقوں میں ان کے اجتہادی فیصلوں پر تنقید بھی ہوئی۔ خاص طور پر قدامت پسند علماء نے بعض مسائل میں ان کے اجتہادی موقف کو قبول کرنے میں ہچکچاہٹ کا اظہار کیا، تاہم علامہ قرضاوی کے معتدل اور موازناتی منہج نے ان چیلنجز کے باوجود بہت سے مسلم معاشروں میں مثبت اثرات مرتب کیے اور جدید مسائل کا حل نکالنے میں مدد دی۔[24]

6 جدید اسلامی مالیاتی نظام پر قرضاوی کے تفردات کا اثر

یوسف القرضاوی کے تفردات نے اسلامی مالیاتی نظام پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان کی رائے تھی کہ موجودہ اسلامی بینکاری اور مالیاتی ادارے روایتی سودی نظام کو چھوڑ کر اسلامی اصولوں کے مطابق جدید اقتصادی مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ علامہ قرضاوی کے اجتہادات نے اسلامی بینکاری میں اہم تبدیلیاں کیں اور کئی اسلامی مالیاتی ادارے ان کے اصولوں کو اپنا کر اسلامی مالیاتی نظام کا حصہ بنے۔

6.1 زکوٰۃ کے جدید مسائل

زکوٰۃ کے معاملے میں بھی علامہ قرضاوی نے بعض منفرد آراء پیش کی ہیں۔ ان کے نزدیک زکوٰۃ کا استعمال جدید دور میں فلاح و بہبود کے لیے کیا جا سکتا ہے، مثلاً تعلیمی اداروں کی مالی معاونت یا صحت کے شعبے میں خرچ۔ ان کا نظریہ تھا کہ زکوٰۃ کے بنیادی مقاصد کو جدید ضروریات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے۔

6.2 اسلامی معیشت میں قرضاوی کی اصولی تبدیلیاں

یوسف القرضاوی نے اسلامی معیشت سے متعلق بعض ایسی منفرد آراء پیش کیں جو روایتی مکاتب فکر سے ہٹ کر ہیں۔ ان کے نزدیک اسلامی معیشت میں اجارہ داریوں اور استحصالی معاشی سرگرمیوں کو سختی سے روکا جانا چاہیے، لیکن تجارت اور نفع کے معاملے میں لچک کی گنجائش ہونی چاہیے۔

6.3 سود سے متعلق علامہ القرضاوی کی آراء

علامہ قرضاوی نے سود کے حوالے سے روایتی تشریحات سے مختلف رائے پیش کی کہ بعض مالیاتی معاملات جو کہ سود کی تعریف میں آتے ہیں، ان میں بعض استثنائی صورتیں بھی موجود ہو سکتی ہیں، جیسا کہ بین الاقوامی مالیاتی اداروں کے ساتھ معاملات یا حکومتی قرضے وغیرہ۔

7 علامہ یوسف القرضاوی کے تفردات کا جائزہ

یوسف القرضاوی کے تفردات پر متعدد علما اور فقہائے کرام نے اعتراضات بھی کیے۔ ان کے اجتہادات کو جدید دنیا کے تقاضوں کے مطابق تو سمجھا، لیکن روایتی اصولوں سے ہٹ کر ہونے کی وجہ سے بعض علمی حلقوں میں ان کی مخالفت بھی ہوئی، تاہم ان کی اجتہادی بصیرت کو علمی حلقوں میں تسلیم کیا گیا اور ان کے افکار کو اسلامی فقہ کی ترقی میں ایک اہم قدم سمجھا گیا۔

یوسف القرضاوی نے فقہ المقارن میں شریعت کے اسلامی منہج کو جدید معاشرتی مسائل کے ساتھ جوڑنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ ان کے اجتہادی اصولوں نے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ہم آہنگی و مطابقت پیدا کی اور اسلامی قانون کو جدید دنیا کے مسائل کا حل پیش کرنے کے قابل بنایا۔ یوسف القرضاوی کے فقہ المقارن کے منہج نے مسلم معاشروں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ان کے اجتہادی اصولوں نے معاشرتی ہم آہنگی، جدید مسائل کا حل، خواتین کے حقوق اور معاشرتی انصاف جیسے مسائل میں قابل ذکر بہتری پیدا کی، تاہم قدامت پسند حلقوں کی طرف سے مخالفت اور چیلنجز کے باوجود علامہ قرضاوی کا منہج اسلامی قانون کو عصر حاضر کے تناظر میں بروئے کار لانے کا ایک کامیاب اور قابل قبول طریقہ کار ثابت ہوا۔ یوسف القرضاوی کے تفردات فقہ المعاملات میں ایک نئی راہ کا تعین کرتے ہیں جس میں وہ اسلامی اصولوں کو عصر حاضر کے مسائل کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے اجتہادات نے اسلامی مالیاتی نظام، زکوۃ اور تجارت کے حوالے سے متعدد نئی راہیں کھولی ہیں، جو روایتی فقہی آراء کے ساتھ ایک تعمیری مکالمے کا حصہ بن چکی ہیں۔ ان کے نظریات کا اثر اسلامی دنیا کے مالیاتی اور معاشی نظام پر نمایاں ہے اور ان کی علمی میراث مستقبل کے محققین کے لیے تحقیق کا میدان فراہم کرتی ہے۔

8 خلاصۃ البحث

ڈاکٹر یوسف القرضاوی فقہ اور اصول فقہ کے میدان میں ایک فقیہ اور اصولی کے طور پر نظر آتے ہیں۔ انہوں نے فقہ المقاصد، فقہ الاولویات، فقہ السنن، فقہ المآلات، فقہ الموازنات اور فقہ الاختلاف وغیرہ پر قلم اٹھایا ہے۔ ان کی کتاب "دراسۃ فقہ المقاصد" مقاصد شریعت سے متعلق بہت ہی گہری تحقیق پیش کرتی ہے، جبکہ "تیسیر الفقہ للمسلم المعاصر" میں نئی نسل کے مسلم نوجوانوں کے لیے فقہی مباحث کو بہت ہی آسان اور عام فہم بنا کر پیش کیا۔ آپ کی کتاب "الفقہ الاسلامی بین الاصالۃ والتجدید" فقہ اسلامی کے سلسلہ میں تجدیدی خطوط کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور "الاجتہاد المعاصر بین الانضباط والانفراط" میں اجتہاد سے متعلق افراط و تفریط پر مبنی رویوں کی نشاندہی کرتے ہوئے صحیح طرز فکر کی جانب رہنمائی کی گئی ہے۔

موجودہ دور سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ جس میں بہت سی انقلابی تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ دنیا ایک گلوبل ویلج بن چکی ہے۔ معاشی و اقتصادی امور میں نئی ترقیات نے نت نئے مسائل پیدا کئے۔ جو لوگ اسلام اور شریعت کی روشنی میں اپنے مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں، وہ اپنے مسائل کے حل کے لئے علماء و فقہائے کرام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ اجتماعی اجتہاد کی بنیاد ڈال کر عوام الناس کے مسائل کا حل کسی ایک مسلک کو مد نظر رکھے بغیر مذاہب اربعہ کو سامنے رکھ کر کیا جائے۔ جو اصول شرع سے مطابقت رکھتا ہو اور ہر دور کے حالات و مقتضیات سے مطابقت رکھتا ہو۔ "فقہ مقارن" کی اس اجتماعی فکر نے فقہی سوچ پر بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ اس سے عالم اسلام میں فتوٰی و اجتہاد سے وابستہ افراد کے رویے اور سوچ میں لچک و وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس اجتماعی فقہ کے ذریعہ دوسرے مسالک کو پڑھنے، سمجھنے اور ان کی مفید اور قابل عمل آراء کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ عصر حاضر میں مشترکہ فقہ اور اجتماعی مسائل کے حل کے لئے تمام مکاتب فکر کو سامنے رکھ کر یکساں انداز فکر کو اختیار کرنا ضروری ہے۔ تاکہ الجھنوں میں پڑے بغیر دلائل کے ذریعہ سے تمام مکاتب فکر کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا استنباط کیا جاسکے۔

شیخ قرضاوی نے غیر مسلموں بالخصوص ذمیوں کے ساتھ سلوک، برائی کو طاقت کے ساتھ روکنے کی شرعی حیثیت، حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے کے طرز عمل کی سختی سے تردید کرتے ہوئے اسے خلاف شرع قرار دیا اور جن نصوص کو بنیاد بنا کر بعض انتہا پسند اپنی کارروائیوں کو جواز فراہم کرتے ہیں، ان کی وضاحت کی ہے اور ابہام دور کیا ہے۔ یوسف

القرضاوی کے فقہ المعاملات میں اجتہادی تفردات اسلامی فقہ میں نئی راہیں کھولنے کا سبب بنے ہیں۔ ان کے تفردات نے جدید اسلامی معیشت، بینکاری، تجارت اور سرمایہ کاری کے میدان میں گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ جن میں سے اجتہاد، معاشی لچکداری، سماجی انصاف، فلاح و بہبود اور ماحول کے تحفظ کی اہمیت کے اصول نمایاں ہیں۔ ان کے نظریات نے اسلامی معیشت کو جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے میں مدد فراہم کی ہے اور اسلامی فقہ کو روایتی دائرے سے باہر نکال کر ایک وسیع تر نظریاتی تناظر میں پیش کیا ہے۔

یوسف القرضاوی کے فقہ الاقلیات میں اجتہادی نظریات اسلامی اقلیتوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ ان کے انفرادی پہلوؤں میں اسلامی اصولوں کی لچک، معاشرتی زندگی میں انضمام، اور اسلامی ثقافت و اقدار کے تحفظ جیسے موضوعات شامل ہیں، جنھوں نے اقلیتوں کو جدید دنیا کے مسائل کے حوالے سے رہنمائی فراہم کی۔ یوسف القرضاوی کا فقہ المقارن میں شریعت کے اسلامی منہج کو جدید معاشرتی مسائل کے ساتھ جوڑنے کی ایک کامیاب کوشش ہے۔ ان کے اجتہادی اصولوں نے مختلف مکاتب فکر کے درمیان ہم آہنگی پیدا کی اور اسلامی قانون کو جدید دنیا کے مسائل کا حل پیش کرنے کے قابل بنایا۔ تاہم، قدامت پسند حلقوں کی طرف سے مخالفت اور چیلنجز کے باوجود، علامہ قرضاوی کا منہج اسلامی قانون کو عصر حاضر کے تناظر میں بروئے کار لانے کا ایک کامیاب اور قابل قبول طریقہ کار ثابت ہوا۔

نتائج مضمون

مذکورہ عنوان پر تحقیق سے مندرجہ ذیل نتائج سامنے آئے ہیں:

1. یوسف القرضاوی نے اپنے فقہی منہج میں مقاصد شریعت کو اہم مقام دیا ہے۔
2. علامہ قرضاوی کے منہج کا ایک اہم پہلو اجتہاد ہے۔ اسلامی تحقیقاتی اداروں کو چاہیے کہ نئے اجتہادی مسائل پر مستقل تحقیق کریں اور اس حوالے سے ان کی کتابوں اور نظریات سے استفادہ کریں۔
3. یوسف القرضاوی نے مختلف مکاتب فکر کے درمیان اعتدال اور وسیع النظری کی پالیسی اختیار کی، جس کا مقصد مختلف فقہی مکاتب فکر کے درمیان فکری مکالمہ اور ہم آہنگی کو فروغ دینا ہے، تاکہ امت مسلمہ میں اتفاق واتحاد کو تقویت مل سکے۔
4. علامہ قرضاوی کے منہج کی روشنی میں موجودہ دور کے معاشرتی اور اقتصادی مسائل، جیسا کہ سود، اسلامی بینکاری اور سماجی انصاف پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔
5. یوسف القرضاوی کے منہج میں روایتی اور جدید علوم کا امتزاج نظر آتا ہے۔ ان کے مطابق اسلامی جامعات اور تحقیقی مراکز میں روایتی اسلامی علوم کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی اور سماجی علوم کو بھی شامل کیا جائے تاکہ علماء و محققین عصر حاضر کے چیلنجز کا مؤثر انداز میں مقابلہ کر سکیں۔
6. علامہ قرضاوی کے منہج کی روشنی میں عصر حاضر کے فقہائے کرام اور محققین کو علمی جدت کی طرف راغب کیا جائے تاکہ وہ اسلامی احکام کو نئے حالات اور تقاضوں کے مطابق عملی جامہ پہنا سکیں۔

[1] Saʿīd Ramadān al-Būṭī, Muḥāḍarāt fī Fiqh al-Muqāran (Dimashq: Dār al-Fikr, 1981), p. 6.
[2]Sayyid Muḥammad Taqī al-Ḥalīm, al-Usūl al-ʿĀmma li-l-Fiqh al-Muqāran al-ʿĀlamī (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʿIlmīyah, 1998), p. 9.
[3]Muḥammad Fatḥ al-Durīnī, Buḥūth al-Muqāranah fī-l-Fiqh al-Islāmī wa-Usūlih (Bayrūt: Dār al-Kutub al-Muʿāṣirah, 2008), p. 2.
[4] Dr. Muḥammad Bisār, Mashrūʿāt al-Taqnīn, al-Muqaddimah (Ṭabʿa Awal), p. 12-11.
[5]Yūsuf al-Qaraḍāwī, al-Fiqh al-Islāmī bayna al-Ṣālah wa-al-Tajdīd (Qāhirah: Dār al-Shurūq, 1994), p. 43.
[6] Yūsuf al-Qaraḍāwī, al-Fiqh al-Islāmī bayna al-Ṣālah wa-al-Tajdīd, p. 43.
[7] Yūsuf al-Qaraḍāwī, al-Fiqh al-Islāmī bayna al-Ṣālah wa-al-Tajdīd, p. 44.
[8] Yūsuf al-Qaraḍāwī, al-Fiqh al-Islāmī bayna al-Ṣālah wa-al-Tajdīd, p. 45.
[9] Yūsuf al-Qaraḍāwī, al-Fiqh al-Islāmī bayna al-Ṣālah wa-al-Tajdīd, p. 46.
[10]Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran (Qāhirah: Dār al-Shurūq, 2005), p. 102.
[11]Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 140.
[12]Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 170.
[13] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 200.
[14] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 235.
[15] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 290.
[16] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 320.
[17] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 355.
[18] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 95.
[19] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 150.
[20] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 180.
[21] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 210.
[22] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 240.
[23] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 275.
[24] Yūsuf al-Qaraḍāwī, Fiqh al-Muqāran, p. 300.